جاوید احمد غامدی

قانون عبادات

(۱۳)

حج و عمرہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وَاَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ، یَاۡتُوۡکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ، یَّاۡتِیۡنَ مِنۡ کُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ، لِّیَشۡهَدُوۡا مَنَافِعَ لَهُمۡ، وَیَذۡکُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ فِیۡۤ اَیَّامٍ مَّعۡلُوۡمٰتٍ عَلٰی مَارَزَقَهُمۡ مِّنۡۢ بَهِیۡمَةِ الۡاَنۡعَامِ، فَکُلُوۡا مِنۡهَا، وَاَطۡعِمُوا الۡبَآئِسَ الۡفَقِیۡرَ، ثُمَّ لۡیَقۡضُوۡا تَفَثَهُمۡ، وَلۡیُوۡفُوۡا نُذُوۡرَهُمۡ، وَلۡیَطَّوَّفُوۡا بِالۡبَیۡتِ الۡعَتِیۡقِ. (الحج ۲۲: ۲۷۔۲۹)

''اور لوگوں میں حج کی منادی کرو، وہ دور دراز کے گہرے پہاڑی راستوں سے چلتے ہوئے تمھارے پاس پیدل بھی آئیں گے اور اُن اونٹوں پر سوار ہو کر بھی جو سفر کی وجہ سے دبلے ہو گئے ہوں تاکہ اپنے لیے منفعت کی جگہوں پر پہنچیں اور چند متعین دنوں میں اپنے اُن چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اُس نے اُن کو بخشے ہیں۔ (تم اِن کو ذبح کرو) تو اِن میں سے خود بھی کھاؤ اور تنگ دست فقیروں کو بھی کھلاؤ۔ پھر چاہیے کہ یہ لوگ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں۔''

یہ صدا ہے جو صدیوں پہلے بلند ہوئی اور جس کے جواب میں 'لبیك لبیك' کہتے ہوئے ہم ام القریٰ مکہ میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بنائی ہوئی اس مسجد کے لیے عزم سفر کرتے ہیں جسے بیت الحرام کہا جاتا ہے۔ یہ وہی بیت عتیق ہے جو امام فراہی کے الفاظ میں اس وادیِ بطحا میں خدا کا پہلا گھر تھا اور جس کے حق میں ازل سے طے کر دیا گیا تھا کہ توحید سے انحراف کرنے والوں کو دور پھینکتا رہے۔ چنانچہ اس کے باشندوں نے جب بت پرستی اختیار کر لی اور اس کے جوار سے منتشر ہوئے تو

پرستش کی غرض سے اس معبد کے پتھر بھی ساتھ لیتے گئے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام بابل سے ہجرت کے بعد اس کو تلاش کرتے ہوئے یہاں پہنچے تو اس کی پرانی تعمیر کا صرف ایک چمکتا ہوا پتھر باقی رہ گیا تھا۔ اسمٰعیل کی قربانی کے بعد اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ اس معبد کو دوبارہ تعمیر کریں۔ چنانچہ باپ بیٹے، دونوں نے مل کر اسی یادگار پتھر کے نیچے زمین کھودنا شروع کی۔ پرانی بنیادیں کچھ تگ ودو کے بعد نکل آئیں تو انھیں بلند کیا اور اس پتھر کو عمارت کے ایک گوشے میں نصب کر دیا۔ اسمٰعیل اسی گھر کی نذر کیے گئے تھے، لہٰذا وہ اس کے خادم مقرر ہوئے اور اللہ کے حکم سے یہ صدا بلند کر دی گئی کہ لوگ اب خداوند کی نذر چڑھانے کے لیے آئیں اور یہاں آکر توحید پر ایمان کا جو عہد انھوں نے باندھ رکھا ہے، اُسے تازہ کریں۔ اصطلاح میں اس عمل کا نام حج وعمرہ ہے۔ یہ دونوں عبادات دین ابراہیمی میں عبادت کا منتہاے کمال ہیں۔ قرآن نے صاف اعلان کیا ہے کہ اسلام درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک معاہدۂ بیع وشرا ہے جس میں ہم اپنا جان ومال اس بہشت بریں کے عوض بیچ دیتے ہیں جو پروردگار نے ہمارے لیے تیار کر رکھی ہے: 'ان اللّٰه اشتری من المؤمنین انفسهم واموالهم بان لهم الجنة'[۳۸۳]۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ: 'فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم به، وذلك هو الفوز العظیم'[۳۸۴]۔ (سو اس سودے پر خوشی مناؤ جو تم نے اپنے پروردگار سے کیا ہے اور یہی دراصل بڑی کامیابی ہے)۔ اپنے معبود کے لیے جذبۂ پرستش کا یہ آخری درجہ ہے کہ اس کے طلب کرنے پر بندہ اپنا جان ومال، سب اُس کے حضور میں نذر کر دینے کے لیے حاضر ہو جائے۔ حج وعمرہ اسی نذر کی تمثیل ہیں۔ یہ دونوں ایک ہی حقیقت کو ممثل کرتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ عمرہ اجمال ہے اور حج اس لحاظ سے اس کی تفصیل کر دیتا ہے کہ اس میں وہ مقصد بھی بالکل نمایاں ہو کر سامنے آ جاتا ہے جس کے لیے جان ومال نذر کر دینے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ آدم کی تخلیق سے اس کی جو اسکیم دنیا میں برپا ہوئی ہے، ابلیس نے پہلے دن ہی سے اس کے خلاف اعلان جنگ کر رکھا ہے: 'قال: فبما اغویتنی، لاقعدن لهم صراطك المستقیم، ثم لاٰتینهم من بین ایدیهم، ومن خلفهم، وعن ایمانهم، وعن شمآئلهم، ولا تجد اکثرهم شٰکرین'[۳۸۵]۔ (بولا: اچھا تو چونکہ تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا ہے، اس لیے میں بھی اب تیری سیدھی راہ پر ان کی گھات لگا کر بیٹھوں گا، پھر آگے اور پیچھے، اور دائیں اور بائیں سے ان پر تاخت کروں گا اور تو ان میں سے اکثر کو اپنا شکر گزار نہ پائے گا)۔ قرآن کا بیان ہے کہ ابلیس کا یہ چیلنج قبول کر لیا گیا ہے اور اللہ کے بندے اب قیامت تک کے لیے اپنے اس ازلی دشمن اور اس کی ذریت کے ساتھ برسر جنگ

۳۸۳؎ التوبہ ۹:۱۱۱۔ ''حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مسلمانوں کے جان ومال اُن کے لیے جنت کے بدلے خرید لیے ہیں۔''

۳۸۴؎ التوبہ ۹:۱۱۱۔

۳۸۵؎ الاعراف ۷:۱۶۔۱۷۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ہیں۔[۳۸۶] یہی اس دنیا کی آزمایش ہے جس میں کامیابی اور ناکامی پر ہمارے ابدی مستقبل کا انحصار ہے۔ اپنا جان و مال ہم اسی جنگ کے لیے اللہ کی نذر کرتے ہیں۔ انبیا علیہم السلام نے 'یایھا الذین اٰمنوا، کونوا انصار اللّٰہ'[۳۸۷] کی صدا تاریخ میں بارہا اسی مقصد سے بلند کی ہے۔ ابلیس کے خلاف اس جنگ کو حج میں ممثل کیا گیا ہے۔ یہ تمثیل اس طرح ہے:

اللہ کے بندے اپنے پروردگار کی ندا پر دنیا کے مال و متاع اور اس کی لذتوں اور مصروفیتوں سے ہاتھ اٹھاتے ہیں،

پھر 'لبیک لبیک' کہتے ہوئے میدان جنگ میں پہنچتے اور بالکل مجاہدین کے طریقے پر ایک وادی میں ڈیرے ڈال دیتے ہیں،

اگلے دن ایک کھلے میدان میں پہنچ کر اپنے گناہوں کی معافی مانگتے، اس جنگ میں کامیابی کے لیے دعا و مناجات کرتے اور اپنے امام کا خطبہ سنتے ہیں،

تمثیل کے تقاضے سے نمازیں قصر اور جمع کر کے پڑھتے اور راستے میں مختصر پڑاؤ کرتے ہوئے دوبارہ اپنے ڈیروں پر پہنچ جاتے ہیں،

پھر شیطان پر سنگ باری کرتے، اپنے جانوروں کی قربانی پیش کر کے اپنے آپ کو خداوند کی نذر کرتے، سر منڈاتے اور نذر کے پھیروں کے لیے اصل معبد اور قربان گاہ میں حاضر ہو جاتے ہیں۔

پھر وہاں سے لوٹتے اور اگلے دو یا تین دن اسی طرح شیطان پر سنگ باری کرتے رہتے ہیں۔

اس لحاظ سے دیکھیے تو حج و عمرہ میں احرام اس بات کی علامت ہے کہ بندۂ مومن نے دنیا کی لذتوں، مصروفیتوں اور مرغوبات سے ہاتھ اٹھا لیا ہے اور دو ان سلی چادروں سے اپنا بدن ڈھانپ کر وہ برہنہ سر اور کسی حد تک برہنہ پا بالکل راہبوں کی صورت بنائے ہوئے اپنے پروردگار کے حضور میں پہنچنے کے لیے گھر سے نکل کھڑا ہوا ہے۔

تلبیہ اس صدا کا جواب ہے جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بیت الحرام کی تعمیر نو کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک پتھر پر کھڑے ہو کر بلند کی تھی۔[۳۸۸] اب یہ صدا دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچ چکی ہے اور اللہ کے بندے اس کی نعمتوں کا اعتراف اور اس کی توحید کا اقرار کرتے ہوئے اس صدا کے جواب میں 'لبیک، اللّٰھم لبیک' کا یہ دل نواز ترانہ پڑھتے ہیں۔

طواف نذر کے پھیرے ہیں۔ دین ابراہیمی میں یہ روایت قدیم سے چلی آ رہی ہے کہ جس کی قربانی کی جائے یا جس کو معبد کی خدمت کے لیے نذر کیا جائے، اسے معبد یا قربان گاہ کے سامنے پھرایا جائے۔ تورات کے مترجموں نے اسی بات کو جگہ جگہ ہلانے کی قربانی اور خداوند کے آگے گزراننے سے تعبیر کیا ہے۔ مثال کے طور پر گنتی میں ہے:

۳۸۶؎ الاعراف ۷: ۱۳۔۱۴۔

۳۸۷؎ الصّف ۶۱: ۱۴۔ ''ایمان والو، اللہ کے مددگار بنو۔''

۳۸۸؎ تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر ۳/ ۲۱۶۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

''اور تو لاویوں کو خداوند کے آگے لا۔ اور بنی اسرائیل اپنے ہاتھ اُن پر رکھیں۔ اور ہارون لاویوں کو بنی اسرائیل کی طرف سے ہلانے کی قربانی کی طرح خداوند کے آگے گزرانے، تب وہ خداوند کی خدمت کے لیے مخصوص ہوں گے۔ تب لاوی اپنے ہاتھ دونوں بیلوں کے سروں پر رکھیں۔ تب تو اُن میں سے ایک کو خطا کی قربانی کے لیے اور دوسرے کو خداوند کی سوختنی قربانی کے لیے لاویوں کے کفارے کے لیے گزران۔ اور تو لاویوں کو ہارون اور اس کے بیٹوں کے سامنے کھڑا کر اور خداوند کی ہلانے کی قربانی کی طرح اُن کو گزران، کیونکہ وہ بنی اسرائیل کے درمیان سے مجھے نذر کر دیے گئے ہیں۔ میں نے بنی اسرائیل کے سب پہلوٹوں کے بدلے جو رحم کے کھولنے والے ہوں، اُن کو اپنے لیے لیا ہے۔'' (۸: ۱۰۔ ۱۶)

بائیبل کے عربی ترجمے میں اس کے لیے 'تردد ھم للرب' یا 'امام الرب' کی تعبیر اختیار کی گئی ہے جس سے یہ مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

حجر اسود کا استلام تجدید عہد کی علامت ہے۔ اس میں بندہ اس پتھر کو تمثیلاً اپنے پروردگار کا ہاتھ قرار دے کر اس ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیتا اور عہد و میثاق کی قدیم روایت کے مطابق اس کو چوم کر اپنے اس عہد کی تجدید کرتا ہے کہ اسلام قبول کر کے وہ جنت کے عوض اپنا جان و مال، سب اللہ تعالیٰ کے سپرد کر چکا ہے۔

سعی اسمٰعیل علیہ السلام کی قربان گاہ کا طواف ہے۔ سیدنا ابراہیم نے صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہو کر اس قربان گاہ کو دیکھا تھا اور پھر حکم کی تعمیل کے لیے ذرا تیزی کے ساتھ چلتے ہوئے مروہ کی طرف گئے تھے۔ بائیبل میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے:

''تیسرے دن ابراہیم نے نگاہ کی اور اُس جگہ کو دور سے دیکھا۔ تب ابراہیم نے اپنے جوانوں سے کہا: تم یہیں گدھے کے پاس ٹھیرو۔ میں اور یہ لڑکا، دونوں ذرا وہاں تک جاتے ہیں اور سجدہ کر کے پھر تمھارے پاس لوٹ آئیں گے۔''

(پیدایش ۲۲: ۴۔ ۵)

چنانچہ صفا و مروہ کا یہ طواف بھی نذر کے پھیرے ہی ہیں جو پہلے معبد کے سامنے اور اس کے بعد قربانی کی جگہ پر لگائے جاتے ہیں۔ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جس طرح قربانی سے پہلے لگائے جاتے تھے، اسی طرح قربانی کے بعد بھی اس کا کوئی حصہ ہاتھ میں لے کر لگائے جاتے تھے۔ خروج میں ہے:

''اور تو ہارون کے تخصیصی مینڈھے کا سینہ لے کر اُس کو خداوند کے روبرو ہلانا تاکہ وہ ہلانے کا ہدیہ ہو۔ یہ تیرا حصہ ٹھیرے گا۔'' (۲۹: ۲۶)

عرفات معبد کا قائم مقام ہے، جہاں شیطان کے خلاف اس جنگ کے مجاہدین جمع ہوتے، اپنے گناہوں کی معافی مانگتے اور اس جنگ میں کامیابی کے لیے دعا و مناجات کرتے ہیں۔

مزدلفہ راستے کا پڑاؤ ہے، جہاں وہ رات گزارتے اور صبح اٹھ کر میدان میں اترنے سے پہلے ایک مرتبہ پھر دعا و مناجات

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

کرتے ہیں۔

رمی ابلیس پر لعنت اور اس کے خلاف جنگ کی علامت ہے۔ یہ عمل اس عزم کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ بندۂ مومن ابلیس کی پسپائی سے کم کسی چیز پر راضی نہ ہوگا۔ یہ معلوم ہے کہ انسان کا یہ ازلی دشمن جب وسوسہ انگیزی کرتا ہے تو اس کے بعد خاموش نہیں ہو جاتا، بلکہ یہ سلسلہ جاری رکھتا ہے۔ تاہم مزاحمت کی جائے تو اس کی تاخت بتدریج کمزور ہو جاتی ہے۔ تین دن کی رمی اور اس کے لیے پہلے بڑے اور اس کے بعد چھوٹے جمرات سے اسی بات کو ظاہر کیا گیا ہے۔

قربانی جان کا فدیہ ہے اور سر کے بال مونڈنا اس بات کی علامت ہے کہ نذر پیش کر دی گئی ہے اور اب بندہ اپنے خداوند کی اطاعت اور دائمی غلامی کی اس علامت کے ساتھ اپنے گھر لوٹ سکتا ہے۔ یہ دین ابراہیمی کی ایک قدیم روایت ہے۔ چنانچہ تورات میں یہ قانون بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نذر کیا جائے، وہ اپنے سر کے بال اُس وقت تک نہ منڈوائے، جب تک نذر کے دن پورے نہ ہو جائیں۔ گنتی میں ہے:

''اور اس کی نذارت کی منت کے دنوں میں اُس کے سر پر استرہ نہ پھیرا جائے، جب تک وہ مدت جس کے لیے وہ خداوند کا نذیر بنا ہے، پوری نہ ہو تب تک وہ مقدس رہے اور اپنے سر کے بالوں کی لٹوں کو بڑھنے دے۔'' (۶:۵)

''اور نذیر کے لیے شرع یہ ہے کہ جب اُس کی نذارت کے دن پورے ہو جائیں تو وہ خیمۂ اجتماع کے دروازے پر حاضر کیا جائے... پھر وہ نذیر خیمۂ اجتماع کے دروازے پر اپنی نذارت کے بال منڈوائے۔'' (۶:۱۳، ۱۸)

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ کس قدر غیر معمولی عبادت ہے جو ہر صاحب استطاعت مسلمان پر زندگی میں کم سے کم ایک مرتبہ فرض قرار دی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کو تنبیہ فرمائی ہے کہ اس سے بے پروائی کا نتیجہ کفر ہے اور وہ اگر اپنے اس رویے پر اصرار کریں گے تو پھر اللہ کو بھی ان کی کوئی پروا نہ رہے گی۔ ارشاد فرمایا ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ، وَمَنْ كَفَرَ ، فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ. (آل عمران ۳:۹۷)

''اور جو سفر کی استطاعت رکھتے ہوں، اُن لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ بیت الحرام کا حج کریں اور جس نے انکار کیا تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ دنیا والوں سے بے پروا ہے۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک موقع پر ایمان اور جہاد کے بعد اسی کی فضیلت بیان کی ہے[۳۸۹] نیز فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ کے لیے حج کرے، پھر اس میں کوئی شہوت یا نافرمانی کی بات نہ کرے تو وہ حج سے اس طرح لوٹتا ہے، جس طرح اس کی ماں نے اسے آج جنا ہے[۳۹۰] اسی طرح آپ کا ارشاد ہے: عمرے کے بعد عمرہ ان کے درمیان میں ہونے والے گناہوں کے لیے

---

۳۸۹ بخاری، رقم ۲۶۔ مسلم، رقم ۱۳۵۔

۳۹۰ بخاری، رقم ۱۷۲۳۔ مسلم، رقم ۱۳۵۰۔

کفارہ ہے اور سچے حج کا بدلہ تو صرف جنت ہی ہے۔[391]

حج وعمرہ کی تاریخ

حج وعمرہ کی تاریخ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اس منادی سے شروع ہوتی ہے جس کا ذکر ہم اوپر جگہ جگہ کر چکے ہیں۔ اس کے بعد یہ سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی عرب کے لوگ ہر جگہ سے گروہ در گروہ حج وعمرہ کے لیے آتے تھے اور آپ کی بعثت کے بعد بھی یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس کے مناسک اور رسوم و آداب میں بعض بدعتیں ان لوگوں نے داخل کر دی تھیں، لیکن روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انھی میں سے بعض لوگ ان بدعتوں پر پوری طرح متنبہ بھی تھے اور اپنا حج ابراہیمی طریقے کے مطابق ہی کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منقول ہے کہ بعثت سے پہلے جبیر بن مطعم نے آپ کو عرفات میں دیکھا تو اسے حیرت ہوئی کہ قریش کے لوگ تو مزدلفہ سے آگے نہیں جاتے اور بنی ہاشم کا یہ فرزند وقوف عرفہ کے لیے یہاں حاضر ہے۔ اس کا بیان ہے:

اضللت بعيرا لى، فذهبت اطلبه يوم عرفة، فرأيت النبى واقفا بعرفة، فقلت: هذا، والله من الحمس، فما شأنه هاهنا؟ (بخاری، رقم ۱۶۶۴)

''میرا اونٹ کھو گیا۔ عرفہ کے دن میں اسے تلاش کرتا ہوا گیا تو میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میدان عرفات میں کھڑے ہیں۔[392] میں نے خیال کیا، بخدا یہ تو قریش میں سے ہیں، پھر یہ یہاں کیا کر رہے ہیں؟''

اس سے واضح ہے کہ قرآن نے جب حج کا حکم دیا تو اس کے مخاطبین کے لیے یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ وہ دین میں اس کی اہمیت اور اس کے رسوم وآداب سے پوری طرح واقف تھے اور ہر سال نہایت اہتمام کے ساتھ اس کے لیے حاضر ہوتے اور اس کے مناسک ادا کرتے تھے۔ چنانچہ قرآن نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ ان کی بدعتوں اور انحرافات کو ختم کر کے حج وعمرہ، دونوں کو ان کے اصل ابراہیمی طریقے پر بحال کر دیا۔ یہ اس عظیم عبادت کی تاریخ کا آخری باب ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے رقم ہوا ہے۔ اس کے بعد اب اس کے تمام مناسک مسلمانوں کے اجماع اور تواتر عملی سے نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہو رہے ہیں، ان میں کسی نوعیت کی کوئی ترمیم و تغیر یا اضافہ نہیں ہوا۔ قرآن نے جو اصلاحات، البتہ اُس وقت کی تھیں اور اب قرآن کی آیات میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دی گئی ہیں، وہ ہم یہاں بیان کیے دیتے ہیں۔

۳۹۱؎ بخاری، رقم ۱۶۸۳۔ مسلم، رقم ۱۳۴۹۔

۳۹۲؎ یہ بعثت سے پہلے کا واقعہ ہے، لیکن اس کو چونکہ جبیر بن مطعم نے مسلمان ہونے کے بعد بیان کیا ہے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اس میں اس طریقے سے ہوا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۱۔ بیت الحرام کے متولی ہونے کی وجہ سے قریش اپنا یہ حق سمجھتے تھے کہ وہ جس کو چاہیں حج وعمرہ کے لیے حرم میں آنے دیں اور جس کو چاہیں، اس کی حاضری سے محروم کر دیں۔ قرآن نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور واضح کیا کہ یہ کسی خاندان کا اجارہ نہیں ہے۔ ہر شخص جو اللہ کی عبادت اور حج وعمرہ کے لیے اس گھر کا قصد کرے، وہ قریشی ہو یا غیر قریشی، عربی ہو یا عجمی، شرقی ہو یا غربی، اس پر کسی کو کوئی پابندی عائد کرنے کا حق نہیں ہے۔ مقیم اور آفاقی، سب کے حقوق اس میں بالکل برابر ہیں۔ قریش کی حیثیت اس کے حکمرانوں اور اجارہ داروں کی نہیں ہے، بلکہ اس کے پاسبانوں اور خدمت گزاروں کی ہے۔ ان کا فرض ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی طرح وہ بھی اسے تمام دنیا کے لیے عبادت کا مرکز بنائیں اور تمام انسانوں کو دعوت دیں کہ اس کی برکتوں سے بہرہ یاب ہونے کے لیے اس آستانۂ الٰہی پر حاضر ہوں:

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا، وَیَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَالۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ الَّذِیۡ جَعَلۡنٰہُ لِلنَّاسِ سَوَآءَۨ الۡعَاکِفُ فِیۡہِ وَالۡبَادِ، وَمَنۡ یُّرِدۡ فِیۡہِ بِاِلۡحَادٍۭ بِظُلۡمٍ، نُّذِقۡہُ مِنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ. (الحج ۲۲:۲۵)

’’(اِس کے برخلاف) جو لوگ منکر ہوئے اور اب اللہ کی راہ سے اور اُس مسجد حرام سے روک رہے ہیں جس کو ہم نے اُس کے شہریوں اور باہر سے آنے والوں کے لیے یکساں ٹھیرایا ہے، (وہ یقیناً بڑے ظلم کا ارتکاب کر رہے ہیں)۔ اور (اِس مسجد کا معاملہ تو یہ ہے کہ) جو اِس میں کسی بے دینی، کسی شرک کے ارتکاب کا ارادہ کریں گے، اُن کو ہم ایک دردناک عذاب کا مزا چکھائیں گے۔‘‘

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۲۔ شرک کی غلاظت توحید کے اس سب سے بڑے اور قدیم ترین مرکز میں بھی داخل کر دی گئی تھی۔ قرآن نے متنبہ کیا کہ ابراہیم و اسمٰعیل کو جب اس گھر کی تولیت عطا ہوئی اور انھیں یہاں آباد ہونے کے لیے کہا گیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے پہلی ہدایت یہ فرمائی تھی کہ اس طرح کی غلاظتوں سے اس گھر کو بالکل پاک رکھا جائے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ قریش کو بھی یہی کرنا چاہیے، ورنہ یہ عظیم امانت ان سے چھین کر اس کے اصل حق داروں کے سپرد کر دی جائے گی:

وَاِذۡ بَوَّاۡنَا لِاِبۡرٰہِیۡمَ مَکَانَ الۡبَیۡتِ اَنۡ لَّا تُشۡرِکۡ بِیۡ شَیۡئًا، وَّطَہِّرۡ بَیۡتِیَ لِلطَّآئِفِیۡنَ، وَالۡقَآئِمِیۡنَ، وَالرُّکَّعِ السُّجُوۡدِ. (الحج ۲۵:۲۶)

’’اور یاد کرو، جب ابراہیم کے لیے اِس گھر کی جگہ کو ہم نے ٹھکانا بنایا، (اِس ہدایت کے ساتھ) کہ کسی چیز کو ہمارے ساتھ شریک نہ کرو اور میرے اِس گھر کو طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔‘‘

۳۔ اپنے بتوں کے تعلق سے بعض جانور قریش نے حرام قرار دے رکھے تھے،[۳۹۳] چنانچہ وہ ان کی قربانی بھی نہیں کرتے تھے۔

اسی طرح اس گھر سے متعلق سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی مقدس روایات بھی اپنے دنیوی مفادات کی خاطر انھوں نے بڑی حد تک بدل ڈالی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر انھیں تنبیہ کی اور بتایا کہ جانور وہی حرام ہیں جن کی وضاحت قرآن میں کر دی گئی ہے، اس لیے اس 'افتراء علی اللّٰہ' سے بچو اور اللہ کی قائم کردہ تمام حرمتوں کی تعظیم بجالاؤ۔ یہی تمھارے حق میں بہتر ہے:

ذٰلِكَ، وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ، وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ، فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ، وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ، حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ، وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ، فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ، فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ. ذٰلِكَ، وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ، فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ. (الحج ۲۲: ۳۰۔۳۲)

''ان چیزوں کا اہتمام کرو، اور (یاد رکھو کہ) جو اللہ کی قائم کردہ حرمتوں کی تعظیم کرے گا تو یہ اُس کے پروردگار کے نزدیک اُس کے لیے بہتر ہے۔ اور تمھارے لیے چوپائے حلال کیے گئے ہیں، سوائے اُن کے جو تمھیں سنا دیے گئے ہیں۔ سو بتوں کی غلاظت سے اجتناب کرو اور اُس جھوٹ سے اجتناب کرو، (جو تم خدا پر باندھتے ہو)، ایک اللہ کی طرف یک سو ہو کر، اُس کے شریک بنا کر نہیں، اور (یاد رکھو کہ) جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرائے گا تو گویا وہ آسمان سے گر گیا، پھر پرندے اُس کو اچک لے جائیں گے یا ہوا اُس کو کسی دور دراز جگہ میں لے جا کر پھینک دے گی۔ ان چیزوں کا اہتمام کرو، اور (یاد رکھو کہ) جو اللہ کے مقرر کردہ شعائر کی تعظیم کرے گا تو (اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ) یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔''

۴۔ قربانی کے جانوروں سے کوئی فائدہ اٹھانا بالعموم ممنوع سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے خاص کر دینے کے بعد لوگ نہ ان کا دودھ استعمال کرتے تھے اور نہ ان سے بار برداری کا کوئی کام لیتے تھے۔[۳۹۴] قرآن نے وضاحت فرمائی کہ ان شعائر کی تعظیم کے لیے یہ چیز ضروری نہیں ہے۔ قربانی کا وقت آ جانے تک ان جانوروں سے ہر طرح کا فائدہ اٹھانا بالکل جائز ہے:

لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى، ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ. (الحج ۲۲: ۳۳)

''(قربانی) کے اِن (جانوروں) سے تم ایک وقت مقرر تک فائدے اٹھا سکتے ہو، پھر ان کو اِسی قدیم گھر تک پہنچنا ہے۔''

۵۔ عرب میں یہود بھی تھے اور ایک کمزور روایت کی بنا پر انھوں نے اونٹ کو حرام قرار دے رکھا تھا۔[۳۹۵] اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ

۳۹۳؎ الانعام ۶: ۱۳۸۔۱۵۰۔

۳۹۴؎ بخاری، رقم ۱۶۰۴۔ مسلم، رقم ۱۳۲۲۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

یہ محض واہمہ ہے، لہٰذا اونٹ کی قربانی بھی بغیر کسی تردد کے کی جائے گی۔ بلکہ عربوں کو یہ جانور چونکہ نہایت عزیز ہے، لہٰذا وہ اگر اپنے پروردگار کی خوشنودی کے لیے اس کی قربانی کریں گے تو ان کے لیے یقیناً یہ اللہ کے تقرب کا بہت بڑا ذریعہ ہوگی:

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ، لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ، فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ، فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا، فَكُلُوْا مِنْهَا، وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ، كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ، لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ. (الحج ۲۲:۳۶)

''اور قربانی کے اونٹوں کو بھی ہم نے تمھارے لیے اللہ کے شعائر ٹھیرایا ہے۔ ان میں تمھارے لیے بھلائی ہے۔ سو ان کی قطار بنا کر ان پر اللہ کا نام لو۔ پھر جب وہ اپنے پہلووں پر گر پڑیں تو اُن میں سے خود بھی کھاؤ اور اُن کو بھی کھلاؤ جو قناعت کیے بیٹھے ہیں اور اُن کو بھی جو مانگنے کے لیے آ جائیں۔ اسی طرح ہم نے اِن (جانوروں) کو تمھاری خدمت میں لگا دیا ہے تاکہ تم شکر گزار بنو۔''

۶۔ قربانی کے بارے میں خیال کیا جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کے گوشت اور خون سے محظوظ ہوتا ہے۔ قرآن نے متنبہ کیا کہ یہ محض حماقت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے نہیں، بلکہ اس تقویٰ سے محظوظ ہوتا ہے جو ان قربانیوں سے ان کے پیش کرنے والوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا، وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ، كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ، لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ، وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ. (الحج ۲۲:۳۷)

''اللہ کو نہ (تمھاری) اِن (قربانیوں) کا گوشت پہنچتا ہے، نہ خون، بلکہ صرف تمھارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اُس نے اسی طرح اِن کو تمھاری خدمت میں لگا دیا ہے تاکہ اللہ نے جو ہدایت تمھیں بخشی ہے، اُس پر تم اُس کی تکبیر کرو۔ (یہی طریقہ ہے اُن کا جو خوبی کا رویہ اختیار کریں) اور (اے پیغمبر) اِن خوب کاروں کو بشارت دو۔''

۷۔ مروہ سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی قربان گاہ ہے۔ یہود چونکہ اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں تھے، اس لیے صفا و مروہ کے طواف کے بارے میں بھی طرح طرح کے شبہات پیدا کرتے رہتے تھے۔ قرآن نے اس کتمان حق پر انھیں تنبیہ کی اور صاف واضح کر دیا کہ یہ دونوں پہاڑیاں اللہ کے شعائر میں سے ہیں اور ان کا طواف ایک نیکی کا کام ہے۔ کسی مسلمان کو اس معاملے میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہیے:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ، فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ، فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ

''صفا اور مروہ یقیناً اللہ کے شعائر میں سے ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ جو اس گھر کا حج یا عمرہ کرنے کے لیے آئیں، اُن پر

۳۹۵ استثنا ۱۴:۷۔

أَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا، وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ، اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ، اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ، وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ. (البقرہ ۲: ۱۵۸-۱۵۹)

کوئی حرج نہیں کہ وہ ان کا طواف بھی کر لیں، (بلکہ یہ ایک نیکی کا کام ہے) اور جس نے اپنے شوق سے نیکی کا کوئی کام کیا، اللہ اُسے قبول کرنے والا ہے، اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔ (اِس معاملے میں) جو حقائق ہم نے نازل کیے اور جو ہدایت بھیجی تھی، اُسے جو لوگ چھپاتے ہیں، اس کے باوجود کہ اِن لوگوں کے لیے اپنی کتاب میں ہم نے اُسے کھول کر بیان کر دیا تھا، یقیناً وہی ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی جن پر لعنت کریں گے۔''

۸۔ حج کے سلسلے میں ایک بدعت یہ بھی ایجاد کر لی گئی تھی کہ حج سے واپسی پر اور احرام کی حالت میں لوگ اپنے گھروں میں ان کے دروازوں سے نہیں، بلکہ پیچھے سے داخل ہوتے تھے[۳۹۶]۔ اس عجیب وغریب حرکت کا محرک غالباً یہ وہم تھا کہ جن دروازوں سے گناہوں کا بوجھ لادے ہوئے نکلے ہیں، پاک ہو جانے کے بعد بھی انھی سے گھروں میں داخل ہونا اب خلاف تقویٰ ہے۔ قرآن نے اس احمقانہ حرکت سے روکا اور فرمایا کہ یہ ہرگز کوئی نیکی کا کام نہیں ہے، اس لیے اب اس کا اعادہ نہیں ہونا چاہیے:

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا، وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى، وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا، وَاتَّقُوا اللّٰهَ، لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. (البقرہ ۲: ۱۸۹)

''یہ ہرگز کوئی نیکی نہیں ہے کہ (احرام کی حالت میں اور حج سے واپسی پر) تم گھروں کے پیچھے سے داخل ہوتے ہو، بلکہ نیکی تو اصل میں اس کی ہے جو تقویٰ اختیار کرے۔ اور گھروں میں اُن کے دروازوں ہی سے آؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تمھیں فلاح نصیب ہو جائے۔''

۹۔ زمانۂ جاہلیت میں حج نے عبادت سے زیادہ ایک نیم مذہبی میلے کی صورت اختیار کر لی تھی۔ چنانچہ لوگ اس کے لیے ہر طرح کا اہتمام کرتے، لیکن اس بات کو بہت کم اہمیت دیتے تھے کہ اس سفر میں اصل زادراہ تقویٰ کا زادہ راہ ہے اور وہ حج کے لیے نکلے ہیں تو انھیں اب کوئی شہوت یا نافرمانی یا لڑائی جھگڑے کی بات نہیں کرنی چاہیے۔ یہ اس عظیم عبادت کی روح کے منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ اس سفر کے لیے آدمی کو سب سے زیادہ اسی تقویٰ کے زادہ راہ کا اہتمام کرنا چاہیے:

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ، فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ، فَلَا رَفَثَ، وَلَا فُسُوْقَ، وَلَا جِدَالَ

''حج کے متعین مہینے ہیں۔ سو ان میں جو شخص بھی (احرام باندھ کر) حج کا ارادہ کر لے، اُسے پھر حج کے اس زمانے

۳۹۶۔ المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی ۶/ ۳۷۱۔

فِی الۡحَجِّ، وَمَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ، یَّعۡلَمۡهُ اللّٰهُ، وَتَزَوَّدُوۡا فَاِنَّ خَیۡرَ الزَّادِ التَّقۡوٰی، وَاتَّقُوۡنِ یٰۤاُولِی الۡاَلۡبَابِ. (البقرہ۲:۱۹۷)

میں نہ کوئی شہوت کی بات کرنی ہے، نہ خدا کی نافرمانی کی اور نہ لڑائی جھگڑے کی کوئی بات اُس سے سرزد ہونی چاہیے۔ اور (یاد رہے کہ) جو نیکی بھی تم کرو گے، اللہ اُسے جانتا ہے۔ اور (حج کے اس سفر میں تقویٰ کا) زادراہ لے کر نکلو، اس لیے کہ بہترین زادراہ یہی تقویٰ کا زادراہ ہے۔ اور عقل والو، مجھ سے ڈرتے رہو۔''

۱۰۔ حج کے بارے میں اسی غفلت کا نتیجہ تھا کہ لوگ مزدلفہ پہنچتے تو وہاں تسبیح و تہلیل اور ذکر و عبادت کے بجائے بیع و شرا، تجارت اور اس طرح کے دوسرے کاموں کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ قرآن نے بتایا کہ اس میں تو کوئی مضایقہ نہیں کہ حج کے ساتھ آدمی بیع و شرا کی نوعیت کا کوئی کام کر لے، لیکن حج کے مقامات ان چیزوں کی جگہ نہیں ہیں، علم و معرفت کی یہ جلوہ گاہیں تو صرف اللہ کی یاد کے لیے خاص رہنی چاہییں:

لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّکُمۡ، فَاِذَاۤ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ فَاذۡکُرُوا اللّٰهَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَرَامِ، وَاذۡکُرُوۡهُ کَمَا هَدٰىکُمۡ، وَاِنۡ کُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّیۡنَ. (البقرہ۲:۱۹۸)

''اس میں کوئی حرج نہیں کہ (حج کے اس سفر میں) تم اپنے پروردگار کا فضل تلاش کرو، لیکن (یاد رہے کہ مزدلفہ کوئی کھیل تماشے اور تجارت کی جگہ نہیں ہے، اس لیے) جب عرفات سے چلو تو مشعر الحرام کے پاس اللہ کو یاد کرو اور اسی طرح یاد کرو، جس طرح اس نے تمھیں ہدایت فرمائی ہے۔ اور اس سے پہلے تو بلاشبہ تم لوگ گمراہوں میں سے تھے۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۱۱۔ قریش نے اپنے لیے یہ امتیاز قائم کر لیا تھا کہ مزدلفہ سے آگے نہیں جاتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ بیت اللہ کے پروہت اور مجاور ہیں، لہٰذا ان کے لیے حدود حرم سے باہر نکلنا مناسب نہیں ہے[۳۹۷]۔ اللہ تعالیٰ نے یہ توجیہ قبول نہیں کی اور حکم دیا کہ انھیں بھی عرفات میں اسی طرح حاضر ہونا چاہیے، جس طرح دوسرے سب لوگ ہوتے ہیں:

ثُمَّ اَفِیۡضُوۡا مِنۡ حَیۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ، وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰهَ، اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ. (البقرہ۲:۱۹۹)

''پھر (یہ بھی ضروری ہے کہ) جہاں سے اور سب لوگ پلٹتے ہیں، تم بھی (قریش کے لوگو)، وہیں سے پلٹو اور اللہ سے مغفرت چاہو۔ یقیناً اللہ بخشنے والا ہے، اس کی شفقت ابدی ہے۔''

۳۹۷؎ المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی ۶/ ۳۸۲۔

۱۲۔ منیٰ کے ایام بھی زیادہ تر قصیدہ خوانی، داستان گوئی اور مفاخرت کی مجلسوں میں گزرتے تھے۔[۳۹۸] پھر یہی نہیں، بعض لوگ حج جیسی عظیم عبادت کو بھی اپنے دنیوی مفادات کے حوالے ہی سے دیکھتے تھے اور اس موقع پر بھی اللہ سے اگر کچھ مانگتے تو اسی دنیا کے لیے مانگتے تھے۔ قرآن نے اس پر تنبیہ کی اور فرمایا کہ اس طرح کے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا:

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ، فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآئَكُمْ، اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا، فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ: رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا، وَّمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ. وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ: رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً، وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً، وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ، اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا، وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ. (البقرہ ۲: ۲۰۰)

''اس کے بعد جب حج کے مناسک پورے کر لو تو جس طرح پہلے اپنے باپ دادا کو یاد کرتے رہے ہو، اسی طرح اب اللہ کو یاد کرو، بلکہ اُس سے بھی زیادہ۔ (یہ اللہ سے مانگنے کا موقع ہے)، مگر لوگوں میں ایسے بھی ہیں کہ وہ (اس موقع پر بھی) یہی کہتے ہیں کہ پروردگار، ہمیں دنیا میں دے دے، اور (اِس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پھر) آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں رہتا۔ اور ایسے بھی ہیں کہ جن کی دعا یہ ہوتی ہے کہ پروردگار، ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی، اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے۔ یہی ہیں جو اپنی کمائی کا حصہ پالیں گے، اور اللہ کو حساب چکاتے کبھی دیر نہیں لگتی۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۱۳۔ منیٰ میں قیام کے بارے میں ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ اس کے دن ۱۳/ ذوالحجہ تک ہیں یا آدمی اگر ۱۲ کو بھی واپس چلا آئے تو اس میں کوئی حرج نہ ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ دونوں ہی صورتوں میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ اصل اہمیت اس کی نہیں کہ لوگ کتنے دن ٹھیرے، بلکہ اس کی ہے کہ جتنے دن بھی ٹھیرے، خدا کی یاد میں اور اس سے ڈرتے ہوئے ٹھیرے:

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ، فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ، وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى، وَاتَّقُوا اللّٰهَ، وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ. (البقرہ ۲: ۲۰۳)

''اور (منیٰ کے) چند متعین دنوں میں اللہ کو یاد کرو۔ پھر جس نے جلدی کی اور دو ہی دنوں میں چل کھڑا ہوا، اُس پر بھی کوئی گناہ نہیں اور جو دیر سے چلا اُس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ (ہاں، مگر) اُن کے لیے جو اللہ سے ڈریں اور تم بھی اللہ سے ڈرتے رہو، اور خوب جان لو کہ (ایک دن) تم اُسی کے حضور میں اکٹھے کیے جاؤ گے۔''

۳۹۸۔ المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی ۶/ ۳۹۰۔

۱۴۔اس سلسلہ کی بدترین چیز عریاں طواف کی بدعت تھی۔ بیت اللہ میں اس غرض سے لکڑی کا ایک تختہ رکھا ہوا تھا جس پر لوگ کپڑے اتار اتار کر رکھ دیتے تھے۔ پھر صرف قریش کی فیاضی ہی ان کی ستر پوشی کرتی تھی۔اُن کے مرد مردوں کو اور عورتیں عورتوں کو کپڑے مستعار دیتی تھیں،لیکن جو لوگ محروم رہ جاتے تھے، وہ برہنہ طواف کرتے اور اسی کو نیکی سمجھتے تھے۔[399] قرآن نے اسے ممنوع قرار دیا اور فرمایا کہ عبادت کی ہر جگہ پر آدمی کو ستر چھپا کر اور پورا لباس پہن کر جانا چاہیے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ، خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ. (الاعراف ۷:۳۱)

''آدم کے بیٹو، ہر مسجد کی حاضری کے وقت اپنے لباس سے آراستہ رہو۔''

حج وعمرہ کا مقصد

حج وعمرہ کا مقصد وہی ہے جو اس کی حقیقت ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف، اس کی توحید کا اقرار اور اس بات کی یاددہانی کہ اسلام قبول کر کے ہم اپنے آپ کو پروردگار کی نذر کر چکے ہیں۔ یہی وہ چیزیں ہیں جن کی معرفت اور دل و دماغ میں جن کے رسوخ کو قرآن نے مقامات حج کے منافع سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ سورۂ حج کی جو آیت ابتدا میں نقل ہوئی ہے، اس میں حج کے مناسک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: 'لیشهدوا منافع لهم' (تاکہ وہ اپنے لیے منفعت کی جگہوں پر حاضر ہوں)۔ یہ مقصد ذکر کے ان الفاظ سے نہایت خوبی کے ساتھ واضح ہوتا ہے جو اس عبادت کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسی مقصد کو نمایاں رکھنے اور ذہنوں میں پوری طرح راسخ کر دینے کے لیے منتخب کیے گئے ہیں۔چنانچہ احرام باندھ لینے کے بعد یہ الفاظ ہر شخص کی زبان پر مسلسل جاری رہتے ہیں:

لبيك، اللّٰهم لبيك؛ لبيك لا شريك لك، لبيك؛ ان الحمد و النعمة لك، و الملك؛ لا شريك لك.

''میں حاضر ہوں، اے اللہ، حاضر ہوں؛ حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں؛ میں حاضر ہوں، حمد تیرے لیے ہے، سب نعمتیں تیری ہیں اور بادشاہی بھی تیرے ہی لیے ہے؛ تیرا کوئی شریک نہیں۔''

حج وعمرہ کے ایام

عمرہ کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ یہ پورے سال میں لوگ جب چاہیں، کر سکتے ہیں۔حج کے لیے، البتہ ۸/ذوالحجہ سے ۱۳/ذوالحجہ تک کے ایام مقرر ہیں اور یہ انھی ایام میں ہو سکتا ہے۔لوگوں کو اس عبادت کے لیے چونکہ اقصاے عالم سے

[399] المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی ۶/۳۵۹۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

سرزمین عرب کے شہر مکہ پہنچنا ہوتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے سفر کو محفوظ رکھنے کی غرض سے چار مہینے لڑنے بھڑنے اور جنگ و جدال کے لیے ممنوع قرار دیے ہیں۔ یہ مہینے رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم ہیں۔ ان میں سے رجب کا مہینا عمرے کے لیے اور باقی تین حج کے لیے خاص کیے گئے ہیں۔ ان مہینوں کی یہ حرمت ہمیشہ سے قائم چلی آ رہی ہے، اس معاملے میں کبھی کوئی اختلاف نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ، يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ، مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ، فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ.

(التوبہ ۹:۳۶)

''اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد نوشتۂ الٰہی میں اُس دن سے بارہ ہی ہے، جب اُس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا۔ ان میں چار مہینے حرام ہیں۔ یہی دین قیم ہے، لہٰذا اِن میں تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔''

حج و عمرہ کے مقامات

حج و عمرہ کے مقامات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے شعائر قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے: 'ان الصفا و المروۃ من شعائر اللّٰہ' (صفا مروہ یقیناً اللہ کے شعائر میں سے ہیں)۔ یہ 'شعیرۃ' کی جمع ہے جس کے معنی علامت کے ہیں۔ اصطلاح میں اس سے مراد وہ مظاہر ہیں جو کسی حقیقت کا شعور ذہنوں میں قائم رکھنے کے لیے اللہ و رسول کی طرف سے بطور ایک نشان کے مقرر کیے گئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ان کی تعظیم کی جائے تو یہ دلوں کا تقویٰ ہے۔[۴۰۰]

ان کا تعارف درج ذیل ہے:

مواقیت

حج و عمرہ کی غرض سے آنے والوں کے لیے حدود حرم سے کچھ فاصلے پر بعض جگہیں متعین کر دی گئی ہیں، جن سے آگے وہ احرام کے بغیر نہیں جا سکتے۔ ان پر یا ان کے برابر کسی بھی جگہ پر پہنچ کر ضروری ہے کہ احرام باندھ لیا جائے۔ اصطلاح میں انھیں میقات کہا جاتا ہے۔ یہ جگہیں پانچ ہیں: مدینہ سے آنے والوں کے لیے ذوالحلیفہ، یمن سے آنے والوں کے لیے یلملم، مصر و شام سے آنے والوں کے لیے جحفہ، نجد سے آنے والوں کے لیے قرن اور مشرق کی طرف سے آنے والوں کے لیے ذات عرق۔

بیت الحرام

یہ وہی معبد ہے جسے قرآن میں 'البیت'، 'البیت العتیق' اور 'المسجد الحرام' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔[۴۰۱] اس

---

۴۰۰ الحج ۲۲:۳۲۔

کی عمارت چونکہ مکعب بنائی گئی ہے، اس لیے اسے خانۂ کعبہ بھی کہتے ہیں۔ یہ سرزمین عرب کے شہر مکہ میں واقع ہے۔ قرآن میں اس شہر کا نام 'بکۃ' آیا ہے[۴۰۲] جس کے معنی آباد جگہ کے ہیں۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی تقریباً ۲۷۷ میٹر ہے اور یہ چاروں طرف سے پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی آمد سے پہلے مکہ غیر آباد تھا۔ قدیم عربوں کا ایک قبیلہ جرہم، البتہ اس علاقے کا حکمران تھا اور مکہ ہی کے قرب وجوار میں رہتا تھا۔ اسمٰعیل علیہ السلام کی شادی اسی قبیلہ کی ایک لڑکی سیدہ بنت مضاض سے ہوئی تھی۔[۴۰۳] ان کے فرزند نابت کی وفات کے بعد اس شہر کا اقتدار اسی قبیلہ کے ہاتھ میں چلا گیا اور وہ کئی سو سال تک اس پر حکومت کرتے رہے۔ پھر بنو خزاعہ اور بنو بکر نے اس شہر پر قبضہ کر لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کم و بیش ایک صدی پہلے خزاعہ کے سردار حلیل بن حبشیہ کی وفات ہوئی تو قصی بن کلاب نے اسے دوبارہ حاصل کیا اور بنی اسمٰعیل کی حکومت ایک مرتبہ پھر اس شہر پر قائم ہو گئی۔[۴۰۴]

سیدنا ابراہیم علیہ السلام تقریباً چار ہزار سال پہلے جب اللہ کے حکم سے یہاں آئے تو بیت الحرام امتداد زمانہ اور سیلاب کی ستم رانیوں سے گر چکا تھا اور اس کا کوئی نام ونشان بھی باقی نہیں رہا تھا۔ پروردگار سے الہام پا کر انھوں نے اس کی پرانی بنیادیں دریافت کیں اور اپنے فرزند اسمٰعیل کی مدد سے ایک بے چھت کی عمارت کھڑی کر دی۔[۴۰۵] ان کے مقدس ہاتھوں کی یہ تعمیر بھی گردش ایام سے محفوظ نہ رہی اور بالآخر منہدم ہو گئی۔ اس کے بعد پہلے عمالقہ نے اور پھر قبیلۂ جرہم نے اسے تعمیر کیا۔[۴۰۶] بعض حوادث کی وجہ سے جرہم کی بنائی ہوئی عمارت بھی گر گئی تو قریش نے اس کی تعمیر نو کا بندوبست کیا، لیکن سرمایہ کم پڑ جانے کی وجہ سے یہ عمارت اصل ابراہیمی بنیادوں پر قائم نہ ہو سکی۔ یہ واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ سال پہلے پیش آیا۔ چنانچہ آپ بھی تعمیر کے اس کام میں شریک رہے، بلکہ مورخین کا بیان ہے کہ حجر اسود کے دوبارہ نصب کرنے کا قضیہ آپ ہی کے حسن تدبیر سے طے ہوا۔[۴۰۷]

روایتوں میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر سیدہ عائشہ کے سامنے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ قریش کی

---

۴۰۱ الحج ۲۲: ۲۵۔۲۹۔

۴۰۲ آل عمران ۳: ۹۶۔

۴۰۳ الروض الانف، السہیلی ۱/ ۱۲۔

۴۰۴ السیرۃ النبویۃ، ابن ہشام ۱/ ۹۳۔۱۰۴۔

۴۰۵ اخبار مکۃ، الازرقی ۱/ ۵۸۔۶۶۔

۴۰۶ شرح المواہب اللدنیہ، الزرقانی ۱/ ۲۰۶۔

۴۰۷ السیرۃ النبویۃ، ابن ہشام ۱/ ۱۶۰۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

تالیف قلب ملحوظ نہ ہوتی تو اس کا جو حصہ عمارت سے باہر رہ گیا ہے اور حطیم کہلاتا ہے، آپ اسے عمارت میں شامل کر کے بیت اللہ کو اس کی اصل ابراہیمی بنیادوں پر استوار کر دیتے۔[۴۰۸] عبداللہ بن زبیر نے آپ کی اسی خواہش کے پیش نظر قریش کی بنائی ہوئی عمارت کو گرا کر اپنے زمانۂ خلافت میں اسے از سر نو تعمیر کیا تھا، لیکن حجاج نے جب اُن کے خلاف جنگ میں سنگ باری کی تو یہ عمارت بھی ٹوٹ گئی۔ اُن کی شہادت کے بعد اس نے عبدالملک بن مروان کے حکم سے اس کو منہدم کر کے ایک مرتبہ پھر قریش کی قائم کی ہوئی بنیادوں پر تعمیر کر دیا۔[۴۰۹] اس کے بعد سے یہ اسی طرح قائم ہے۔

حجر اسود اس عمارت کے کونے میں نصب ہے۔ اس سے آگے عمارت کا شمالی کونا رکن عراقی، مغربی کونا رکن شامی اور جنوبی کونا رکن یمانی کہلاتا ہے۔ بیت الحرام کا دروازہ زمین سے کوئی دو میٹر اونچا ہے۔ اس کے اور حجر اسود کے درمیان کی دیوار کو ملتزم کہا جاتا ہے۔ یہ گویا آستانۂ الٰہی کی دہلیز ہے جس سے چمٹ کر لوگ دعائیں کرتے ہیں۔ عمارت پر سیاہ کپڑے کا ایک غلاف پڑا رہتا ہے جسے ہر سال تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ عمارت کے صحن میں سفید رنگ کا ایک پتھر رکھا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اسی پر کھڑے ہو کر اس کی دیواریں بلند کی تھیں۔[۴۱۰] اس پتھر سے کچھ فاصلے پر ایک قدرتی چشمہ ہے جسے زمزم کہتے ہیں۔ بیت الحرام کی زیارت کے لیے آنے والے اس سے اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔

اس کے حدود چاروں طرف کئی کلومیٹر تک وسیع اور ہمیشہ سے معلوم اور متعین ہیں۔ یہ پورا علاقہ حرم کہلاتا ہے، جس میں کسی انسان یا جانور، حتیٰ کہ آپ سے آپ اگنے والی نباتات کو بھی نقصان پہنچانا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ قرآن نے 'حرما آمنا'[۴۱۱] اور 'مثابة للناس و امنا'[۴۱۲] کے الفاظ میں اس کی یہی حیثیت بیان فرمائی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ان هذا البلد حرمه اللّٰه يوم خلق السمٰوات والارض ، فهو حرام بحرمة اللّٰه الى يوم القيٰمة، وانه لم يحل القتال فيه لاحد قبلى، ولم يحل لى الا ساعة

''یہ وہ شہر ہے جسے اللہ نے اُس دن سے حرام ٹھیرایا ہے، جب اُس نے زمین و آسمان پیدا فرمائے تھے۔ لہٰذا اللہ کی قائم کردہ اسی حرمت کی وجہ سے یہ قیامت تک کے لیے حرام ہے۔ مجھ سے پہلے کسی شخص کو اس میں قتال کی

۴۰۸؎ بخاری، رقم ۱۵۰۶، ۱۵۰۸۔ مسلم، رقم ۱۳۳۳۔

۴۰۹؎ بخاری، رقم ۱۵۰۹۔ مسلم، رقم ۱۳۳۳۔

۴۱۰؎ اخبار مکۃ، الازرقی ۱/۵۹۔

۴۱۱؎ القصص ۲۸: ۵۷۔ العنکبوت ۲۹: ۶۷۔

۴۱۲؎ البقرہ ۲: ۱۲۵۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

من نهار، فهو حرام بحرمة اللّٰہ الی یوم القیٰمة، لایعضد شوکه، ولا ینفر صیده، ولا یلتقط الامن عرفها، ولا یختلیٰ خلاها. (مسلم، رقم ۱۳۵۳)

اجازت نہیں دی گئی۔ میرے لیے بھی یہ دن کی ایک گھڑی ہی کے لیے حلال کیا گیا۔ چنانچہ اللہ کی قائم کردہ اسی حرمت کی وجہ سے یہ اب بھی قیامت تک حرام ہی رہے گا، نہ اس کے کانٹوں والے درخت کاٹے جائیں گے، نہ اس کے شکار کو بھگایا جائے گا، نہ اس میں گری ہوئی کوئی چیز اٹھائی جائے گی، الاّ یہ کہ کوئی اسے مالک تک پہنچانے کے لیے اٹھائے، اور نہ اس کی گھاس کاٹی جائے گی۔''

صفا و مروہ

یہ دو پہاڑیاں ہیں جو بیت اللہ کے بالکل قریب واقع ہیں۔ سیدنا اسمٰعیل کی قربانی کا واقعہ انھی میں سے ایک پہاڑی مروہ پر پیش آیا تھا۔ اس لحاظ سے یہی اصل قربان گاہ ہے جسے لوگوں کی سہولت کے لیے منیٰ تک وسعت دے دی گئی ہے۔ اس قربان گاہ کے طواف میں ہر پھیرا صفا سے شروع ہو کر مروہ پر ختم ہوتا ہے۔ اصطلاح میں اسے سعی کہتے ہیں۔

منیٰ

دو پہاڑیوں کے درمیان یہ ایک وسیع میدان ہے جس کا فاصلہ مکہ سے تقریباً پانچ کلومیٹر ہے۔ ۸/ذوالحجہ کو مکہ سے آنے کے بعد اور ۱۰/ذوالحجہ کو عرفات سے واپس آ کر حجاج یہیں قیام کرتے اور حج کے باقی مناسک پورے کرتے ہیں۔

عرفات

منیٰ سے تقریباً دس کلومیٹر کے فاصلے پر یہ بھی ایک وسیع میدان ہے جہاں ۹/ذوالحجہ کو مسلمانوں کا امام خطبہ دیتا اور اس کے بعد حجاج غروب آفتاب تک وقوف کرتے ہیں۔

مزدلفہ

منیٰ کے راستے میں یہ ایک دوسرا میدان ہے جہاں عرفات سے واپسی کے بعد حجاج رات گزارتے ہیں۔ یہ منیٰ اور عرفات کے تقریباً درمیان میں واقع ہے۔ حدود حرم یہاں سے شروع ہوتے ہیں، اس لیے اسے 'المشعر الحرام' بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن میں اس کا یہی نام آیا ہے[۴۱۳]۔

جمرات

منیٰ کے میدان میں یہ تین ستون ہیں جنھیں شیطان کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک ستون سب سے بڑا

۴۱۳؎ البقرہ ۲: ۱۹۸۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ہے، اسے جمرۂ عقبہ یا جمرۃ الاخریٰ کہتے ہیں۔ دوسرے دوستون جمرۃ الاولیٰ اور جمرۃ الوسطیٰ کے نام سے موسوم ہیں۔ عرفات سے واپس آ کر حجاج انھی ستونوں پر سنگ باری کرتے ہیں۔

[باقی]

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com